شاہد حسین رزاقی

تاثرات

کل پاکستان انجمن ترقی اردو نے کراچی میں اردو یونیورسٹی قائم کرکے ملک کی صحیح تعلیمی ترقی کی طرف ایک نہایت اہم اور ضروری قدم اٹھایا ہے۔ پاکستان کے مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ تعلیمی مقاصد اور نظامِ تعلیم تبدیل کرکے ان کو قومی ضروریات کے مطابق بنایا جاتا۔ اور انگریزی کے بجائے اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے لیے موثر عملی تدابیر اختیار کی جاتیں لیکن بارہ سال تک اس اہم قومی مسئلہ پر کوئی توجہ نہیں کی گئی اور پاکستان کے مستقبل کی تعمیر میں تعلیم کی اہمیت کو صحیح طور پر ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اب تعلیمی کمیشن کی سفارشات میں اس اہم قومی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن گذشتہ چند سال کے عرصہ میں بعض خود غرض سیاستدانوں نے قومی زبان کے مسئلہ کو کچھ اس طرح الجھا دیا ہے اور ایک محدود تعلیم یافتہ طبقہ نے جو اردو زبان کے امکانات سے قطعاً بے خبر ہے خود اپنی لاعلمی کو اردو زبان کی خامی تصور کرتے ہوئے اس کو دفتری اور تعلیمی زبان بنانے کے سلسلہ میں کچھ ایسی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں کہ تعلیمی زبان کے مسئلہ کو خاطر خواہ طور پر حل کرنا تعلیمی کمیشن کے لیے بھی دشوار ہو گیا۔

پاکستان میں ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے انگریزی کو اس غلط فہمی کی بنا پر برقرار رکھا گیا کہ اردو میں مختلف علوم کی تعلیم دینا ممکن نہیں اور اس حقیقت کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا کہ ایک غیر زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے سے ہمارے قومی اور تعلیمی مقاصد کو کس قدر نقصان پہنچے گا۔ طلبا کی ذہنی صلاحیتوں اور جدت و جودت پر اس کا کیا اثر پڑے گا، اور قومی روایات اور تہذیب و ثقافت کے حق میں اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ انگریزوں نے اپنے سامراجی مقاصد کے مطابق ہندوستانیوں کے لیے ایک نظامِ تعلیم وضع کیا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن سیاسی فہم و بصیرت رکھنے والے رہنما ہمیشہ محسوس کرتے رہے کہ یہ نظامِ تعلیم ہندوستان میں بسنے والی قوموں کے نقطۂ نظر سے انتہائی مضرت رساں ہے۔ سید جمال الدین افغانی نے ہندوستان میں مختصر قیام کے دوران میں ہی حقیقتِ حال کو محسوس کر لیا تھا اور اردو کو مشترکہ قومی زبان بنانے اور اردو یونیورسٹی قائم کرکے اردو میں قدیم و جدید علوم کی اعلیٰ تعلیم دینے کی اہمیت پر بہت زور دیا تھا۔ اور سید احمد خاں نے بھی یہ محسوس کر لیا تھا کہ جب تک جدید علوم کی تعلیم اردو زبان میں نہ دی جائے گی ہماری تعلیم ناقص اور غیر مؤثر رہے گی۔ ملکی زبان میں تعلیم دینے کی افادیت کا عملی تجربہ بھی

اسی زمانے میں ہو گیا تھا کیونکہ دہلی کالج میں تمام جدید علوم کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی۔ اور اس میں اس قدر کامیابی ہوئی تھی کہ خود انگریز ماہرانِ تعلیم نے یہ اعتراف کیا کہ اردو میں جدید علوم کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبار اپنے مضمون پر ان طلبار کے مقابلہ میں زیادہ حاوی ہوتے ہیں جو یہ علوم انگریزی زبان میں پڑھتے ہیں۔ اگر ۱۸۵۷ء کی شورش عظیم میں یہ کالج ختم نہ ہو جاتا تو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے اردو زبان کی حالت بالکل مختلف ہوتی۔

موجودہ صدی میں جمال الدین افغانی اور سید احمد خاں کے تصورات کو حیدر آباد دکن میں عملی شکل دی گئی اور عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہوئی۔ جہاں اعلیٰ ترین مدارج میں بھی تمام علوم و فنون کی تعلیم اردو میں دی جاتی تھی۔ اس میں سائنس، انجینیرنگ اور مغربی طب کی تعلیم بھی شامل تھی۔ اور جدید نظری اور تجربی علوم کے جداگانہ شعبے قائم تھے۔ ہندوستانی یونیورسٹیاں تو سیاسی مصلحتوں کی بنا پر جامعہ عثمانیہ کو عملاً تسلیم نہ کر سکیں لیکن برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں نے جامعہ عثمانیہ کو نہ صرف تسلیم کر لیا بلکہ اس کے اعلیٰ معیارِ تعلیم کا بھی اعتراف کیا۔ نیز برطانیہ اور ہندوستان کے ممتاز ماہرانِ تعلیم نے بھی اس کامیاب تجربہ کو وسیع النظری اور عزم و ہمت کا ایک کارنامہ قرار دیا اور یہ تسلیم کیا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبار دوسرے طلبار کے مقابلہ میں اپنے مضمون پر زیادہ عبور رکھتے ہیں اور مشکل مضامین میں بھی امتیاز حاصل کرتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنی قومی زبان میں تعلیم پاتے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے آج یہ طفلانہ بحث کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم دی جا سکتی ہے یا نہیں۔ تعلیمی ترقی کی راہ میں یہ منزل تو بہت پہلے طے ہو چکی ہے اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم دینے کے لیے گزشتہ کامیابیوں اور کارناموں سے فائدہ اٹھایا جائے اور اس کام کو اس منزل سے آگے بڑھایا جائے جہاں عثمانیہ یونیورسٹی نے اس کو تیس سال کی کامیاب جدوجہد کے بعد پہنچایا تھا۔